حج ... مظہرِ عشق و بندگی

سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى ، أمّا بعد :

”وأذّن في الناس بالحج يأتوك رجالا وعلى كل ضامر يأتين من كل فج عميق“۔ (الحج:۲۷)

حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحکمِ الٰہی جو صدا لگائی، اُسے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے بندگی، عبادت اور اللہ تعالیٰ سے اپنی والہانہ عقیدت ومحبت کے اظہار کا ایک منفرد اور مخصوص طریقہ طے کردیا، جسے حج کہتے ہیں۔

حج کیا ہے؟ اُس کے افعال وارکان کی حکمت وفلسفہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت ومعقولیت کا نقطہ کیا ہے؟ صوفیاء کرام نے سفرِ حج کو سفرِ عشق اور ارکانِ حج کو عاشقانہ وارفتگی سے تشبیہ دے کر یہ حکمت وحقیقت سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ جس طرح عاشقِ زار کے افعال واعمال میں ظاہری معقولیت دیکھنا اور بتانا مشکل ہوتا ہے، اسی طرح افعالِ حج کے ظاہری افعال کی حکمت ومعقولیت سمجھنے اور سمجھانے میں بھی دشواری پیش آسکتی ہے۔ فریضۂ حج کے ظاہری افعال واعمال کی حقیقت ومعقولیت کا ادراک کرنے کے لئے عقلِ سلیم، فطرتِ سلیمہ اور عشقِ حقیقی کا جذبۂ صادق بنیادی شرط ہے، چنانچہ حاجی اپنے آپ اور اپنے حلیہ ولباس کو فراموش کرکے اور راہ کی مشقتوں، صعوبتوں کو بھلا کر اپنے پروردگار محبوبِ حقیقی کی یاد اور ذکر کے ساتھ زیارت وملاقات کے جذبات سے لبریز ہوکر والہانہ وار اُس کے در پر حاضری

دینے کے لیے بڑھتا چلا جاتا ہے، اور اپنے تمام تر حسیات اور قلبی کیفیات کے ساتھ مرکز تجلیات بیت اللہ پہنچ جاتا ہے، پھر مکہ سے منیٰ کا رُخ کرتا ہے، اور پھر منیٰ سے عرفات جاتا ہے، عرفات سے پھر مزدلفہ آتا ہے اور وہاں سے پھر واپس منیٰ آجاتا ہے۔

یہ آمد ورفت، یہ سرگرداں ہونا، ہر ہر جگہ جاکر اُس ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کو پکارنا، اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر نادم ہونا اور اُسے منانے کے لئے رونا دھونا کہ کسی طرح اپنے محبوبِ حقیقی کو پالے۔ بظاہر اللہ ہمیں اس دنیا میں نظر تو نہیں آسکتا، لیکن اُس کے احکامات کی روشنی میں اُس کی عبادت کر کے اُسے پایا تو جاسکتا ہے۔ اُس نے ہمیں راستے اور طریقے بھی خود بتادیے، ابھی وہاں آؤ اور اس طرح عبادت کر کے مجھے پالو، اور یہ سب کچھ کرنا اسی طریقے سے ہے جیسا رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ اب حج کے ان سارے ارکان کو عام دنیوی سوچ اور عقل سے دیکھا جائے تو عجیب سا لگے گا، لیکن یہی اصل حقیقت ہے کہ:

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

اس شعر سے حج کے فلسفہ کو سمجھا جاسکتا ہے، جو اس رمز کو پالیتا ہے وہی کامیاب ہوجاتا ہے۔ دور سے دیکھنے والوں کو یہ کبھی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ کراماً کاتبین سے اس شعر میں فرشتے مراد نہیں ہیں، بلکہ اس سے مراد اُس عاشقانہ کیفیت سے ناآشنا لوگ ہیں، جب تک وہ اس جذبے کے اندر نہ اُتریں وہ اس کو کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ جب وہ اس عشق حقیقی کے اندر ڈوب جائیں گے تبھی ان کو پتہ چل سکے گا:

أمر علی الدیار دیار لیلی　　أقبل ذا الجدار وذا الجدارا
وما حب الدیار شغفن قلبی　　ولکن حب من سکن الدیارا

معشوق کے گھر یعنی خدا اور اس کے راستے سے گذرنے کی بھی ایک راحت اور فضیلت ہے۔ شاعر نے یہی جذبہ اس شعر میں پیش کیا ہے، معشوق کے درودیوار سے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار اور ساتھ ساتھ درودیوار کی حقیقت کو بھی بیان کیا کہ معشوق کے بغیر اُن کی بذات خود کوئی حیثیت نہیں ہے، جیسے حضرت عمرؓ نے حجر اسود کو خطاب کر کے کہا کہ: اے پتھر! میں جانتا ہوں تیری حقیقت کچھ نہیں ہے، اگر میں نے اپنے حبیب ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔ ان جگہوں کی وقعت اور حیثیت ان افضل اور مقدس ترین ہستیوں کی وجہ سے ہوئی جو یہاں آئے اور یہاں سے گذرے۔

حج کا جو قافلہ ہوتا ہے یہ عُشاق کا ٹولہ ہوتا ہے، اس کارواں میں بعض حقیقی عاشق ہوتے ہیں اور بعض ظاہری، اسی وجہ سے نوازنے کے اعتبار سے فرق بھی ہوتا ہے، کسی کو خدا ملتا ہے اور کوئی وقت گذاری کر کے خالی ہاتھوں لوٹ جاتا ہے اور اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ جو شخص حج کو اس

کی حقیقی روح اور مقصد کے ساتھ ادا کرتا ہے تو گویا وہ خدا کو پالیتا ہے، اُس کی زندگی کی کایا پلٹ جاتی ہے، اور جس کو خدا نہیں ملتا وہ تہی داماں ہوکر واپس آتا ہے، اور جو پالیتا ہے تو وہ گویا معصوم نومولود بچے کی طرح ہوجاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال :قال رسول اللّٰہ ﷺ :مَنْ حَجَّ للّٰہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیومٍ ولدتہ اُمُّہ. (بخاری، ج:۱،ص:۲۰۶، باب فضل الحج المبرور،طبع:الطاف سنز)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے محض اللہ کی رضا کے لئے حج کیا اور اس حج میں گالم گلوچ نہ کی اور نہ ہی گناہ وفسق وفجور کیا تو وہ (حج کے بعد گناہوں سے پاک صاف ہوکر) ایسے واپس لوٹتا ہے، جیسے آج ہی کے دن اس کی ماں نے اُسے جنا ہو''۔

جیسے رات کے آخری وقت میں اُٹھ کر مانگنا ہے۔ نیک، عبادت گذار، تہجد گذار لوگ رات کے آخری وقت میں اٹھ کر اللہ سے مانگتے ہیں، کیونکہ اس وقت اللہ نے خود کہا ہے: میں اس وقت آسمانِ دنیا پر موجود ہوتا ہوں، قریب ہوتا ہوں۔ اس لئے بندہ جاکر اللہ سے مانگتا ہے، تو ایسے ہی حج کے اندر اللہ نے کہا کہ: میں اس دن فلاں وقت عرفات میں موجود ہوں گا، اور اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کروں گا۔ عاشق حقیقی کو یقین ہوتا ہے کہ: اللہ نے کہا ہے کہ عرفہ کے دن میں میدانِ عرفات میں موجود ہوں گا، چنانچہ حاجی مسجد حرام (جس کی اتنی فضیلت ہے کہ وہاں ادا کی جانے والی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے) کی بجائے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور پھر فرشتوں کے سامنے حاجیوں پر فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ذرا میرے بندوں کی طرف تو دیکھو! یہ میرے پاس پراگندہ بال، گردآلود اور لبیک وذکر کے ساتھ آوازیں بلند کرتے ہوئے دور دور سے آئے ہیں، میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اُنہیں بخش دیا۔ یہ سن کر فرشتے کہتے ہیں کہ پروردگار! ان میں فلاں شخص وہ بھی ہے جس کی طرف گناہ کی نسبت کی جاتی ہے اور فلاں شخص اور فلاں عورت وہ بھی ہے جو گناہ گار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اُنہیں بھی بخش دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں یوم عرفہ کے برابر لوگوں کو آگ سے نجات کا پروانہ عطا کیا جاتا ہو''۔

پھر اللہ نے جب حکم دیا کہ عرفات سے مزدلفہ آجاؤ، اب تم مجھے وہاں پاؤ گے تو پھر سب وہاں

پہنچ گئے، پھر اس کے بعد دوبارہ منیٰ واپسی کا حکم دیا کہ اب وہاں کچھ راتیں گذارو۔ منیٰ ''اُمنیات'' (امیدوں) سے ہے، منیٰ میں موجود رہ کر اللہ کو مناتے رہو، اللہ سے امیدیں باندھو۔ منیٰ کا قیام ہمارے لیے ترغیب اور تربیت ہے، دنیا کے ساتھ اپنی تمنائیں اور امیدیں نہ باندھے، دنیا میں اپنی خواہشات کو نہ ڈھونڈھے، غیر اللہ کے ساتھ امیدیں نہ باندھے، بلکہ صرف ایک ذات کو اپنی امید کا مرکز ومحور بنالے، اُس ایک ذات سے مانگے اور دعائیں کرتا رہے اور منیٰ میں رہ کر شیطان کو دھتکارتا رہے اور مارتا رہے۔ ایک طرف اللہ نے منیٰ میں عبادات اور دعاؤں کا حکم دیا، اس کے ساتھ ہی شیطان کو جاکر کنکریاں مارنے کا حکم بھی دیا۔ اگر ان ارکان کو اُن کی صحیح روح اور حقیقت کے ساتھ ادا کیا جائے تو اس کا بہت گہرا اثر انسان کی زندگی پر پڑتا ہے، اور پھر ساری زندگی ان شاء اللہ! اسی طرح وہ شیطان کو دھتکارتا رہے گا اور اللہ سے مانگتا رہے گا۔

یہ ایک عام خیال ہے کہ بس توفیق مل گئی، یہی اصل ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ ''بلاوا تو نصیب والوں کا ہوتا ہے'' اب وہ صاحب نصیب توفیق ملنے کے بعد یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اب میں یہاں آ گیا ہوں، جیسے چاہے وقت گذاروں، سب قبول ہے۔ توفیق یا نصیب کا مل جانا یہ یقیناً سعادت مندی کی علامت ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ احتیاط اور ڈر بھی ضروری ہے۔ اگر قدردانی اور شکرِ نعمت ہوگا تو اس توفیق میں مزید اضافہ بھی ہوگا۔ بعض بزرگوں کے بارے میں سنا گیا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ: حج سے ڈرنا چاہئے۔ حج سے اس لئے ڈرنا چاہئے کہ اگر آپ حج اس مقصد اور مطلوبہ کیفیت کے ساتھ نہیں کر رہے تو وہ نجات کا ذریعہ بننے کی بجائے سوہانِ روح اور وبالِ جان بن جاتا ہے۔ جو شخص محض شہرت، تفریح، نام وری، ریاکاری اور دکھلاوے کی غرض سے حج کرے گا تو وہ کہاں سے خدا کو پا سکے گا؟!۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ میری امت کے مال دار سیر وتفریح کے لئے حج کریں گے اور بیچ کے درجہ کے لوگ تجارت کے لئے کریں گے۔ اُن کے علماء اور پڑھے لکھے ریا، شہرت اور نام وری کے لئے کریں گے اور غریب لوگ سوال (مانگنے) کے لئے کریں گے''۔ (القریٰ: ص۳۱)

حج کیفیات کے ساتھ ہے، اس لئے دورانِ حج مقصد اور کیفیات کا احساس بار بار ہونا چاہئے، اس کی فکر کرنی چاہئے، لوگ بھول جاتے ہیں۔ شیطان تو ہر وقت انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے، وہ اُسے گمراہ کرنے سے کبھی غافل نہیں رہتا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ بس بلاوا آ گیا، توفیق مل گئی تو خوش ہو گئے کہ اب میں یہاں پہنچ گیا ہوں، اب جو کروں جیسے کروں، وہ سب قبول ہے۔ اگر یہ تصور اور سوچ ہے تو یہ

بھی شیطان ہی کا دھوکہ ہے اور شیطان کے انہی حملوں سے بچنا یہ بھی حج کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔ دورانِ حج غفلت، بے توجہی اور لاپروائی کی وجہ سے ہم کتنے غیر شرعی کام کر لیتے ہیں: سب سے پہلے حج کو جاندار انسانی تصویروں اور فلموں سے سمجھا جاتا ہے، وہاں پہنچنے کے بعد بھی ٹی وی دیکھتے رہتے ہیں۔ نمازوں کے ادا کرنے میں کوتاہی، جماعت کی پابندی میں کوتاہی، احرام باندھنے کے بعد بجائے تلبیہ وذکرُ اللہ کے غیبت، گناہ، منکرات ومنہیات کا ارتکاب، نامحرم عورتوں سے اختلاط، عورتوں کی بے پردگی، بدنظری اور دیگر کئی گناہ حج کے دوران سرزد ہورہے ہیں۔ ان گناہوں کے اثر سے دل کی وہ کیفیت ہوجاتی ہے کہ جو ملنا ہوتا ہے وہ نہیں ملتا۔ یقیناً توفیق اس انسان کو بھی ملی ہے، لیکن یہ گناہوں کے ذریعے اپنی توفیق کو ضائع کر کے محروم ہورہا ہے۔ عبادات کے ذریعے مرتب ہونے والے فوائد وثمرات کی حفاظت کے لئے گناہوں سے بچنا سخت ضروری ہے۔ اگر پرہیز کے ساتھ حج ہوگا تو حج کا فائدہ بھی ظاہر ہوگا۔ اگر گناہ اور منکرات ومنہیات سے پرہیز نہ کیا اور جو توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی تھی، اُس کی کما حقہ قدر نہیں کی تو پھر وہ شیطان کے حملوں سے نہیں بچا۔ شیطان کے حملے اسی طرح جاری رہیں گے اور وہ اپنا کام کرتا رہے گا۔

اگر ایک آدمی صاحب استطاعت ہونے کے باوجود فرض حج نہیں ادا کرتا تو یہ ناشکری اور ناقدری ہے۔ گویا عملی طور پر وہ خدا کو اپنی عدمِ احتیاج کا اظہار کر رہا ہے کہ مجھے تو آپ کی ضرورت ہی نہیں، حالانکہ اُسے مال واسباب سے جو نوازا گیا تھا وہ اس لئے تھا کہ اب تم میری طرف آجاؤ، لیکن تم نہیں آئے۔ یہ تو اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے صرف صاحب استطاعت پر اور وہ بھی زندگی میں صرف ایک مرتبہ حج فرض کیا ہے، حدیث میں آتا ہے:

"عن علیؓ: من ملک زاداً وراحلةً تبلغه إلی بیت اللہ الحرام فلم یحج فلا علیه أن یموت یهودیاً أو نصرانیاً" (ترمذی، ج:۱،ص:۱۰۰)

ترجمہ:۔ ''حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے پاس سفرِ حج اور بیت اللہ تک پہنچنے کے لئے سواری کا انتظام ہو اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں اس بات میں کہ وہ یہودی ہوکر مرجائے یا نصرانی ہوکر مرے''۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" من أراد الحج فلیتعجل ". (ابوداؤد، ج:۱،ص:۲۴۲)

ترجمہ: ''جس نے حج کا ارادہ کر لیا تو اب اُسے چاہئے کہ وہ جلدی کرے''۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جب فرض حج ادا ہوگیا تو اب نفلی حج کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی حیاتِ طیبہ میں ایک ہی دفعہ حج کیا۔غور کیا جائے تو یہ بھی خدا کا اُمت پر احسان ہے کہ اس نے صاحب استطاعت پر زندگی میں صرف ایک ہی مرتبہ حج فرض قرار دیا کہ ہاں! اگر ایک دفعہ بھی تم نے حج کر کے اپنے رب کو پالیا اور تمہاری زندگی تبدیل ہوگئی تو یہ بھی تمہارے لئے کافی ہے، ورنہ جس کو اللہ نے ہمیشہ نوازا ہے، اگر وہ کامل زندگی بھی اس راستے میں لگادے اور بار بار حج کرتا رہے تو بھی حق نہیں ادا ہوسکتا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن عبد اللّٰہؓ قال :قال رسول اللہ ﷺ :تابعوا بین الحج والعمرة فإنهما ینفیان الفقر والذنوب کما ینفی الکیر خبث الحدید والذهب والفضة ولیس للحجة المبرورة ثواب إلا الجنة. (ترمذی،ج:۱،ص:۱۶۷)

ترجمہ:''نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا: پے در پے حج وعمرے کیا کرو، کیونکہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح صاف کردیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے،سونے اور چاندی کے میل کو صاف کر دیتی ہے،اور حج مبرور کا ثواب صرف جنت ہے''۔

یہ بات بھی زبان زدِ عام ہے کہ نفلی حج کی بجائے اس رقم سے کسی غریب اور مستحق کی ضرورت کو پورا کردیا جائے تو وہ زیادہ بہتر ہے۔اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے ،ایک مد ہے زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ، جس کا مستحق ایک غریب اور ضرورت مند ہی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ صدقاتِ نافلہ بھی ہیں ،مثلاً انسان کا اپنی ذات پر خرچ کرنا، اپنی اولاد و اہل وعیال پر خرچ کرنا، کسی کو ہدیہ تحفہ دے دینا، کسی کی دعوتِ طعام کر دینا، کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا اور کوئی کارخیر کرنا، یہ تمام صدقاتِ نافلہ ہیں۔صدقاتِ نافلہ میں انسان کو اختیار ہے، دل چاہے تو یہ کرلے اور دل چاہے تو وہ کرلے۔صدقاتِ واجبہ کو صدقاتِ نافلہ کے ساتھ خلط نہیں کرنا چاہئے۔غریب اور ضرورت مند کے لئے تو اللہ نے صاحب نصاب پر ہر سال زکوٰۃ اور صدقۂ فطر فرض کیا ہے، جو صاحب نصاب کو ہر سال اور ہر حال میں ادا کرنا چاہئے۔صاحب استطاعت 'نفلی حج ،زکوۃ یا صدقاتِ واجبہ کی رقم سے تو ادا نہیں کررہا اور نہ ہی کرسکتا ہے۔اگر ایک صاحب حیثیت زکوۃ اور صدقات واجبہ ادا کر رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بطورِ صدقۂ نافلہ اللہ کے راستے میں اس کے قرب کی خاطر حج ادا کر رہا ہے تو یہ بھی شریعت کے تقاضے کے مطابق ہے۔صدقاتِ نافلہ میں انسان جہاں بھی خرچ کرے وہ کارخیر ہے اور ایک کارِ خیر کو دوسرے پر وقتی حالات اور ضرورت کے پیش نظر ترجیح تو دی جاسکتی ہے، لیکن کسی ایک ہی کو افضل سمجھ لینا یا ان کارہائے خیر میں باہمی تقابل کرنا یہ مناسب نہیں ہے۔بسا اوقات یہ شیطان کا دھوکہ

بھی ہوتا ہے کہ انسان یہ سوچتا ہے کہ فلاں نیک کام ابھی نہیں کرنا، بعد میں کرلوں گا، ابھی کوئی دوسرا نیک کام کرلیتا ہوں، پہلا کارِ خیر مؤخر کردیا اور اس کا وقت گذر گیا اور دوسرا نیک کام جس کا ارادہ کیا تھا پھر وہ بھی نہ کرسکا، چنانچہ اس سوچ کی وجہ سے وہ کارِ خیر سے ہی محروم ہوجاتا ہے۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ زکوۃ یا صدقاتِ واجبہ مالی عبادات کی قبیل سے ہیں، جبکہ حج مالی اور جانی دونوں قسم کی عبادت ہے۔ بسااوقات تن آسانی کے لئے بھی شیطان اس طرح ورغلاتا ہے، کیونکہ حج دراصل مشقت کا نام ہے۔ ہزاروں سہولیات واسباب بڑھنے کے باوجود آج تک وہ مشقت ہر دور کے اعتبار سے برقرار ہے۔ یہ مشقتیں بھی حج کے اجر کو بڑھاتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے حج قران ادا فرمایا تھا، یعنی ایک سفر اور ایک احرام کے اندر دو عبادتوں کو جمع کرنا، اس میں مشقت بھی زیادہ ہے اور ثواب بھی زیادہ ہے، اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے قران کو افضل کہا ہے۔ غرض تن آسانی کی وجہ سے بھی یہ دھوکہ ہوجاتا ہے۔

اکثر لوگوں کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ حج تو بڑھاپے کی عبادت ہے، ابھی جوان ہیں، جب گناہوں سے مکمل توبہ کرلیں گے تب جاکر حج کریں گے۔ تو یہ بھی درحقیقت شیطان ہی کا دھوکہ ہے، گویا کہ اس سوچ اور فکر سے یہ بات طے کرلی ہے کہ ہم نے ابھی مزید گناہ کرنے ہیں۔ یہ سوچ بذات خود بہت بڑا گناہ ہے کہ اس نیت سے اپنے آپ کو حج فرض سے روک لیا۔ جب حج کو اس کی حقیقی روح، مطلوبہ کیفیات اور مقاصد کے ساتھ گناہوں سے بچتے ہوئے اور خالص توبہ کرتے ہوئے ادا کیا جائے تو یقیناً ان شاء اللہ! سابقہ گناہ بھی معاف ہوجائیں گے اور آئندہ زندگی بدل جائے گی۔ حج مبرور کہتے ہی اس کو ہیں کہ جس سے زندگی تبدیل ہوجائے۔ پھر اگر نیت خالص ہوگی اور انسان بالارادہ و بالاختیار گناہوں سے بچے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اُسے گناہوں سے بچنے کی توفیق دیں گے۔ جس کی یہ سوچ ہے کہ حج بڑھاپے کی عبادت ہے تو گویا اس نے حج کا فلسفہ ہی نہیں سمجھا۔

حج جیسے عظیم الشان اجر وثواب اور فضیلت کے باوجود کتنے لوگ ایسے ہیں جن پر حج فرض ہے، لیکن وہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے نہیں جاتے۔ کوئی بیوی بچوں کی تنہائی کا بہانہ بناتا ہے تو کوئی روپے پیسے اور مال ودولت کے خرچ پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ کوئی دکان اور کاروبار کے اُجڑ جانے کا اندیشہ ظاہر کرتا ہے تو کوئی بیٹوں اور بیٹیوں کی شادی کا ہمالیہ کھڑا کردیتا ہے اور کوئی طویل صعوبتوں اور مشقتوں سے خوف زدہ نظر آتا ہے۔ یہ سب اندیشے، وسوسے، خیالات اور توہمات اُنہیں لوگوں کا حصہ اور نصیب ہیں جن کے دل ودماغ عشق الٰہی سے خالی اور بیت اللہ کی عظمت وبرکات سے بے بہرہ ہیں، ورنہ کون کلمہ گو انسان ایسا ہوگا جو انوارات وتجلیات کے اس عظیم ترین مرکز اور بے بہار رحمتوں اور برکتوں کے خزانہ سے دور رہنا گوارہ کرسکے؟ فاعتبروا یا أولی الأبصار.